تنہائی

احمد عباس حسینی

97-I، مرادی روڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025، موبائل:9718747388

کل رات ابا کا انتقال ہوگیا۔

گھر میں ایک قیامت آگئی۔ ہر طرف سے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ سبھی بھائی بہن ایک دوسرے سے گلے مل کر باپ کے بچھڑنے کا غم منا رہے ہیں۔ بعد نماز مغرب ابا بستر پر گئے کہ پھر اُٹھ نہ سکے۔ آنکھوں کی پتلیاں پھر گئیں، ٹیبل پر آفس کی فائل کے کاغذات پھڑ پھڑانے لگے، جو جہاں تھا افسردگی کے ساتھ آنسو بہا رہا تھا۔ سب سے زیادہ آفت شنو بی بی پر آئی۔ سب بھائی بہنوں میں وہی ایک تنہا تھیں۔ بڑی بڑی نرگسی آنکھوں میں ایک نرمی، محبت اور ایثار تھا جو دوسرے گھر نہ جاسکی تھیں۔ اکیلی لاوارث، کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ اس کا وجود وقت نے پامال کردیا تھا اور مستقبل میں سناٹا پڑا تھا۔ شمع کی طرح ساری رات پگھلتی رہتیں۔ ایک خاموش آگ میں جلتی رہتیں، لیکن صبح کو آنکھ کھلتے ہی اپنے کاموں میں مشغول ہوجاتیں۔ خود کو کمزور سمجھنا ان کے مزاج کے خلاف تھا۔

ابّا کے سارے کاموں کے بعد بڑے بھائی بہن نے پھر ایک بار کوشش کی کہ وہ اس گھر سے رخصت ہوجائیں، مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہ سب اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوئے اور پھر شنو بی بی نے اس حویلی نما دکان کے ایک حصّے کو اپنا مسکن بنایا۔ بھائیوں کے بچوں کے ساتھ مل کر کھیلنے، ان سے بات چیت کرنے میں وقت گزار رہی تھیں۔ بھائیوں کو بھی بچوں کی دیکھ بھال کے لیے ایک سہارا مل گیا۔ شنو بی بی کا مستقبل یوں مٹ گیا جیسے پانی کے گرنے سے کاغذ کے حروف مٹ جاتے ہیں۔

اس نے اپنے وجود کو ایک ہال نما کمرے اور دالان میں قید کرلیا جہاں ایک چھوٹا سا آنگن بھی تھا۔ اب تو ان کے سر کے سیاہ بالوں میں دو چار سفید تار نظر آنے لگے۔ چہرے کی شادابی اور نکھار ختم ہو چکا تھا۔ ایک بھائی کے یہاں اتفاقاً جڑواں بچے پیدا ہوئے تو دل کو بہلانے کے لیے ایک بچی کو اپنی آغوش میں اُٹھالائیں۔ اس کا نام انھوں نے نکہت رکھا اور اس کی پرورش میں خود کو لگا دیا۔ نکہت کے پیالے کی طرح گول اور چمکتے ہوئے سر کو چھوٹے چھوٹے گھونگریالے بالوں نے ڈھکا ہوا تھا۔

ان کا حویلی نما مکان ایک چمنستان سا لگ رہا تھا۔ طویل وعریض صحن میں پھولوں کے تختے بہار دکھا رہے تھے۔ نکہت آنگن میں گھٹنیوں چلتے چلتے دوڑنے لگی اور شنو بی بی کو اماں کا خطاب مل گیا۔ بچی کے منہ سے لفظ ''ماں'' سن کر وہ مدہوش ہوگئیں اور اس کی ہر جائز یا ناجائز خواہش کو پورا کرنے کی سعی کرتیں۔ سبھی بھائی شنو بی بی کی ہر ممکن مدد کرنے کے لیے تیار رہتے۔ ان کی زبان سے کوئی بات نکلی اور وہ فوراً پوری ہوجاتی۔ سب کا دھیان رہتا کہ بہن کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ بھائیوں کی بیویاں بھی شنو بی بی کا منھ تکا کرتیں۔ اسی لیے شنو بی بی بچی کی بات ماننے کو ہمہ وقت تیار رہتیں۔ اب چاہے کچن میں چاول اُبل رہے ہوں یا دودھ مگر پہلے بچی کی بات ماننا ضروری۔

گرمی کی دوپہر ہو، سردی کی شام یا رم جھم برسات ہو رہی ہو، دنیا کی تمام خوشیوں سے بے نیاز شنو بی بی اپنے گھر کے کاموں میں جٹی رہتیں۔ ہر طرح کے لوازمات سے بے نیاز، وہ اپنے کاموں میں مصروف، ایسا معلوم ہوتا کہ رکنا ان کی قسمت میں لکھا نہیں۔ کاموں سے چھٹی ملتی تو عبادت الٰہی میں سر جھکانے بیٹھ جاتیں۔ عبادت میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ گڑگڑا کر اشکبار آنکھوں سے سجدے میں پروردگار سے دُعا کرنا ان کا فریضہ تھا جسے وہ کبھی نہیں بھولتیں۔

نکہت نے قد نکالا۔ والدین تو بچی کو شنو بی بی کے حوالے کرکے علیٰحدہ ہوگئے۔ اب اس کی پڑھائی، لکھائی اور کپڑوں کی ذمہ دار شنو بی بی، جسے پورا کرنے میں وہ کوئی کسر نہ چھوڑتیں۔ ایک دن بھی نکہت ماں باپ کی طرف نہیں جاتی۔ ٹیوشن کے لیے علیٰحدہ ٹیچر، کلام پاک کے لیے الگ قاری صاحب غرض شنو بی بی کی پوری نگاہ اس پر جمی رہتی کہ کہیں کوئی کمی تو نہیں حالانکہ اسی گھر میں نکہت کے دوسرے بھائی بہن کی پرورش کیسے ہو رہی ہے، انھیں کوئی مطلب وسروکار نہیں تھا۔ ان کی پوری توجہ اپنی نکہت پر ہوتی۔

گھر میں کوئی تقریب ہو یا تہوار، مخصوص کھانا پکنا لازمی، اس دن

شنو بی بی خود کچن میں جاتیں اور دائی کو کنارے کر دیتیں۔ ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگتے ہی سب کی آنکھیں چندھیا جاتیں۔ انواع واقسام کے کھانوں پر سے گرم گرم بھاپ اُٹھ رہی ہوتی تھی۔ لوگوں کی نظر پڑتے ہی منھ میں پانی آجاتا۔ نفیس خوشبو پوری فضا میں تیرنے لگتی۔ مہک سے متاثر ہو کر بچّے کے دوسرے بھائی بہن دوڑ کر اپنے گھر سے آکر ٹیبل کے ارد گرد گھومنے لگتے۔ شنو بی بی غصّہ سے آگ بگولہ— ''میں اپنی بچّی کو کچھ کھلا نہیں سکتی، تم لوگوں کو خبر مل جاتی ہے۔ دوڑ کر حصّہ لگانے آجاتے ہو....''

مگر شنو بی بی یہ نہیں سوچتیں کہ چھوٹے بچوں کے ذہن میں لذیذ کھانوں کی مہک کیا کیا رنگ دکھاتی ہے۔ انھیں اگر پیٹ بھر عمدہ کھانا مل جائے تو پھر کیا کہنا۔

عیش کے دن، عید، بقرعید پر ایسے کھانے ملتے ہیں۔ سب بچے لائن سے تخت پر بیٹھ گئے۔ شنو بی بی نے سب کے ہاتھوں میں پلیٹ دی پھر اس میں مٹر پلاؤ اور اس پر بکرے کے قورمہ کا شوربہ ڈال دیا۔ بچے یوں کھانے لگے جیسے کئی دنوں کے بھوکے ہوں۔ نکہت ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھی تھی۔ کھانا ختم کر کے بچے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

ایک دن اچانک موسلا دھار بارش شروع ہوگئی، ہر طرف افراتفری کا ماحول سب لوگ بے چین اور مضطرب، ابھی کچھ دن قبل گھر کی بے حد میلی اور شکستہ دیواروں کی مرمت کے بعد قلعی کی گئی تھی، لیکن بارش کا کسے علم، ساری محنت رائیگاں ہوگئی۔ شنو بی بی پریشان۔ بارش کی وجہ سے مرغیاں اپنے دڑبہ میں بند بے چاری بھوکی پیاسی مر رہی ہیں۔ کسی میں ہمت نہیں کہ وہ بارش میں بھیگ کر مرغیوں کو دانہ پانی دے۔

ماضی کے جھروکے میں سے کسی گمشدہ لمحے نے جھانکا تو شنو بی بی بے چین ہوگئیں۔ ماں باپ کی آغوش میں بچپن کتنے سکون سے گزرا۔ کسی بات کی کوئی کمی نہیں۔ دل میں جو خواہش ہوئی فوراً حاضر، لیکن جب عمر بڑھنے لگی تو ہر چیز کا شوق وذوق بڑھتا گیا۔ والدین نے بہت جلدی ساتھ چھوڑ دیا۔ اب ان کی پوری زندگی بھائی بہنوں پر منحصر۔ دل کی کوئی تمنا ظاہر کرنے سے پہلے سوچتیں۔ کبھی کبھی بھائیوں نے یہ محسوس کیا تھا کہ اچھے موڈ میں باتیں کرتے کرتے شنو بی بی ایک دم خاموش کیوں ہو جاتی ہیں۔ چہرے پر اُداسی چھا جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی عمر کی اس سیڑھی پر قدم رکھ چکی تھیں جہاں آگے بڑھنے کے لیے ایک ساتھی کی ضرورت تھی، لیکن ان کا ساتھی اللہ نے پیدا نہیں کیا تھا۔ پائل کی گھنگرو کی آواز سننے کے لیے وہ تڑپتی رہ گئیں۔

نکہت ان کا سہارا تھی۔ اس کے ہر ناز ونخرے کو برداشت کرنا اپنا فرض سمجھتیں۔ اسکول جانے سے پہلے کپڑوں پر پریس کرنا، تیار کرنے میں بال سنوارنا اپنا کام سمجھتیں۔ اسکول سے آنے کے بعد گرم گرم کھانا تیار کر کے دینا انھیں بے حد اچھا لگتا۔ رات میں نکہت کو اپنی آغوش میں سمیٹ کر سونا عادت بن چکی تھی۔ کچھ بڑی ہوئی تو اپنے ماں باپ کو پہچاننے لگی۔ کبھی کبھی کسی چیز کی فرمائش اپنے باپ سے بھی کرتی حالانکہ ان کے دیگر دو بچے تھے مگر باپ نکہت کی فرمائش فوراً پوری کرتے۔ بلکہ اپنے دونوں بچوں سے پہلے نکہت کو ترجیح دیتے۔

گھر کے باہر ایک پلاٹ تھا جس میں چند آم کے درخت تھے۔ اس میں کبھی کبھی بڑے پاپا سبزیاں اُگاتے تاکہ گھر والوں کو تازہ سبزی مل سکے۔ آم کے دنوں میں ہر سال کی طرح پیڑ میں جھولا ڈالا جاتا اور نکہت اپنی مخصوص سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھولتی تھی، جس میں اسے کافی لطف ملتا۔

لیٹے لیٹے شنو بی بی کبھی آنکھیں کھول لیتیں اور کبھی بند کر لیتیں۔ اس وقت دل میں اُٹھنے والی بے شمار خواہشیں اور آرزوئیں انھیں پریشان کرنے پر تلی تھیں۔ نکہت کی نت نئی فرمائشیں اب انھیں گراں گزر رہی تھیں کبھی کبھی وہ اس پر غصّہ بھی کرتیں مگر وہ اپنی ضد پر اڑی رہتی۔ جب تک اس کی خواہش پوری نہ ہوتی اس وقت تک کھانا پینا تیاگ دیتی۔

شنو بی بی نے آج پھر اپنے گھر میں بہترین کھانے کا انتظام کیا۔ مرغ مسلم، مچھلی اور سیخ کباب سبھی چیزوں کا انتظام تھا۔ اپنے سبھی بھائیوں کو مع اہل وعیال مدعو کیا تھا۔ آج نکہت کی پندرہویں سالگرہ تھی۔ ایک بھیڑ اکٹھا ہوگئی۔ بات چیت اور ہنسی مذاق کا دور شروع ہوا اور کھانے کا دسترخوان لگ گیا۔ لذیذ وذائقہ دار کھانا سبھی نے خوش ہو کر نوش کیا، پھر چائے کا دور چلا۔ ایک گھنٹہ تک بڑا دلچسپ گھریلو پروگرام رہا۔ سبھی بھائی بہنوں کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھیں۔ چلتے وقت بڑے پاپا نے نکہت کو پارکر پین کا سیٹ تحفہ میں دیا۔

رات کی جبیں پر ستاروں کی افشاں بکھری ہوئی تھی۔ کہیں ستارے بہت مدھم تھے اور کہیں بہت تابناک، شنو بی بی گھر کے صحن میں دائی سے پلنگ ڈلوا کر لیٹی ستاروں کے جھرمٹ کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔ کتنا حسین و دلکش منظر ہے۔ قدرت کا کیا نظام ہے۔ دن میں سورج کی سنہری کرنوں کی تپش اور رات میں حسین چاندنی کی ہلکی سی ٹھنڈ۔ یہ سب اللہ نے ہم انسانوں کو عطا کیا ہے جس میں ہر طرح کا لطف ملتا ہے۔ ان کے خشک بال ہوا کے جھونکوں سے اُڑ رہے تھے۔ اپنے خیالوں اور خوابوں کے ساتھ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔ ایک عجیب سی نگاہ چاروں طرف ڈالی۔ دائی کھانا بنا کر اپنے گھر جا چکی تھی۔ گھر میں بہت سکوت تھا۔ آنکھیں گھما کر نشیب وفراز کا

جائزہ لیا۔ اچانک بادل گھر آیا اور بارش کے آثار پیدا ہوگئے۔ رہ رہ کر بجلی چمک رہی تھی۔ دفعتاً بادلوں کی وحشت ناک گڑگڑاہٹ گونجی اور وہ گھبرا کر پلنگ سے اُتریں۔ کسی طرح پلنگ کو سایہ میں کیا۔ سانس پھولنے لگی، اسی دوران دو چار بوندیں سر پر پڑیں۔ وہ کمرے کے اندر چلی گئیں۔ کمرے میں نکہت اپنے اسکول کے ہوم ورک میں کھوئی تھی۔ اسے بارش کی کچھ خبر نہیں۔ جب ماں کمرے میں داخل ہوئیں تو اسے پتہ چلا۔ خوب ہنسی — ''میں کہہ رہی تھی، صحن میں مت لیٹو مگر تم مانتی کہاں ہو —'' نکہت بزرگوں کے لہجے میں بولی۔

فروری کے دوسرے ہفتہ کی بات ہے۔ نکہت کا امتحان قریب آرہا تھا۔ آنے والے وقت کے خوف سے وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔ اپنی پڑھائی پہلے سے تیز کردی تھی اور کافی سنجیدہ ہوگئی تھی۔ دوسرے بھائی بہن کا اس گھر میں آنا بند ہوگیا۔ کتابوں سے اگر تھوڑا سا وقت ملتا تو اپنی گڑیوں کو لے کر بیٹھ جاتی، اسی میں کھوئی رہی پیار کرتی، جھولا جھلاتی اور پھر گود میں لے کر سلاتی۔ ماشاء اللہ نکہت اب بی، اے میں پہنچ گئی۔ بے حد حسین باریک ہلتے ہوئے ہونٹ، گلابی گلابی نرم و نازک بڑی بڑی آنکھیں لیے جب وہ پہلی بار یونیورسٹی کے کلاس روم میں داخل ہوئی تو دیگر لڑکیاں بہت متاثر ہوئیں۔ اس نے بڑی معنی خیز نگاہ پوری کلاس میں ڈالی اور ایک سیٹ پر بیٹھ گئی۔

وہ جدھر جاتی، گزرتی ہوئی ہر لڑکی کی نظر اس پر ٹک جاتی۔ کبھی کوئی اپنے پاس ہوتو اس کے پیار کی نرمی اور ٹھنڈک کا احساس تک نہیں ہوتا، لیکن جب وہی شخص نظروں سے دور ہو جاتا ہے تو دل کچھ اس طرح ٹوٹ جاتا ہے کہ اسے پھر جوڑنا ممکن نہیں ہوتا۔ کلاس کی لڑکیوں کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ نکہت جب نظروں کے سامنے ہوتی تو سبھی لڑکیاں مست ہوکر اُچھلتی کودتیں اور جب نظروں سے اوجھل ہوتی تو تڑپتیں۔ آنکھوں سے آنسو گراتیں۔

اسی بیچ نکہت کا ایک رشتہ آیا۔ لڑکا معقول تھا۔ گھر کے سبھی افراد نے پسند کیا اور رشتہ طے ہوگیا۔ شنو بی بی بیحد خوش انھوں نے تیاریاں شروع کردیں۔ مختلف قسم کے کپڑے اور تحائف سبھی کچھ جمع کر لیے۔ والدین نے بھی اپنی ذمہ داری ادا کی۔ برات والے دن گھر کے سبھی افراد افسردہ، سبھی کی آنکھوں سے پانی چھلک رہا تھا۔ شنو بی بی گھر کے گوشہ میں جا کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتیں پھر دوپٹہ سے آنکھوں کو خشک کر کے اپنے کام میں لگ جاتیں۔ بڑی بھابھی کی نظر شنو بی بی پر پڑی تو انھوں نے گلے لگا کر دلاسہ دیا۔

''یہ بدشگونی ہے، یہ دن ہر ماں کو ایک دن دیکھنا پڑتا ہے۔ بیٹی تو پرایا دھن ہوتی ہے۔ کب تک اپنے پاس رکھوگی —''

اور جب نکہت رخصت ہوگئی تو اس شب کو شنو بی بی بہت بے چین رہیں۔ ایک زمانہ کے بعد آج وہ بستر پر تنہا تھیں۔ پھر وہی تنہائی... اور رات میں تاروں کا گننا جیسے ان کا مقدر بن گیا تھا اور شنو بی بی سے خراج وصول کر رہا تھا۔

◆◆◆

عالم میں انتخاب دلّی

تیرہویں صدی کی ابتدا میں دہلی ترکوں کی سلطنت کا پایۂ تخت بنا اور ایک کے بعد دوسری جگہ آبادی کے ہٹنے کے باوجود دہلی کی رونق قائم رہی۔ اس کتاب کے مصنف مہیشور دیال صاحب نے لال کوٹ، کلوکری، تغلق آباد، جہاں پناہ، فیروز آباد، دین پناہ اور پرانا قلعہ، شیر گڑھ اور شاہ جہاں آباد کا ذکر کیا ہے۔ سب سے زیادہ تفصیلی ذکر شاہ جہاں آباد کا اور یہاں کے رسم و رواج کا ہے۔

صفحات: ۵۳۱ (پانچواں ایڈیشن) قیمت: ۱۵۰/روپے

اردو اکادمی، دہلی